سُورَةُ الشَّمْس

عربی متن — بامحاورۃ اُردو ترجمہ و تفسیر

اِفادات

الحافِظ علامہ نُورالدین

مدیر

عَبدالمنان عُمر – امتہ الرحمٰن عُمر

سُورَۃُ الشَّمْس - ﴿۹۱﴾ - مَكِّيَّۃٌ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

اللہ کا نام لے کر جو بے حد رحمت والا، بار بار رحم کرنے والا ہے

(میں سُوْرَۃُ الشَّمْس پڑھنا شروع کرتا ہوں)

خلاصہ مضمون: پچھلی سورۃ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعض تاریخی اوصاف کا بطور پیشگوئی ذکر تھا۔ یہاں آپ کے بعض ذاتی اوصاف کا ذکر ہے اور اس طرح نیکی و بدی کے فرق کو ظاہر کر کے بدی کی پاداش کو ظاہر کیا ہے۔ الشَّمْسِ سے آنحضرت ﷺ کی کامل ذات پُر انوار مراد ہے اور اس پر صحیفہ فطرت کے بعض بدیہی امور کو بطور شواہد پیش کیا ہے اور اس طرح نفس انسانی کی عظمت اور اس میں متضاد صفات کے پائے جانے اور اس کے خواص کے اظہار، نورِ وحی کے اثبات اور منکرین نبوت کے تلخ انجام پر دلائل دیئے ہیں۔ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے نورِ نبوت پر بحث ہے جسے آفتاب کی قسم سے ثابت کیا ہے کہ جیسے عارضی اور زمینی اور مصنوعی روشنیاں وہ کام نہیں کر سکتیں جو سورج کر سکتا ہے اسی طرح مجرد عقولِ انسانی بدوں نورِ نبوت کے مکمل نہیں۔ پھر چاند سورج سے اکتساب نور کرتا ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام الٰہی نور سے اور مجدد دین اسلام اور علماءِ دین نورِ کامل محمد مصطفی ﷺ سے نور حاصل کر کے فائدہ پہنچاتے ہیں۔ ایسا ہی دن اور رات میں یہ نشان ہے کہ جو انسان تصفیہ باطن کرتا ہے وہ دن کی طرح روشن ہو جاتا ہے اور دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے اور نورِ وحی سے حصہ لیتا ہے اور جو ایسا نہیں کرتا بلکہ نفس کو ہوا و ہوس کی تاریکی میں گاڑ دیتا ہے وہ آفتاب نبوت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ آسمان و زمین میں دلیل کا انداز یہ

ہے کہ گو زمین میں ہر قسم کی قوتیں اور استعدادیں مختلف قسم کے تخموں کے پیدا کرنے کی ہیں مگر جب تک آسمانی فیضان نازل نہ ہو جس میں آفتاب کی تاثیرات، چاند کی تاثیرات اور بارش وغیرہ سب شامل ہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور وہ استعدادیں مردہ رہتی ہیں، اسی طرح انسانی عقول اور فطری مادے نورِ نبوت و وحی الٰہی کے بغیر بیکار اور مردہ ہیں۔ نفس کے متعلق قسم کھانے میں وہ اسرار مد نظر ہیں جو علم النفس سے متعلق ہیں۔ پھر اس نظام قدرت میں ایک وحدت پائی جاتی ہے جو ہستی و توحید باری تعالیٰ پر دلیل ہے۔ غرض اس طرح پر ضرورتِ نبوت اور نبوتِ محمدیہؐ کے کامل و خاتم ہونے کے دلائل اس میں موجود ہیں۔ بالآخر منکرین نبوت کے انجام کو قوم ثمود کے انجام کے واقعہ سے ظاہر کیا ہے۔ اس سورۃ میں نفس انسانی کو عموماً اور نبی اکرم ﷺ کو خصوصاً سورج، چاند، دن، رات اور آسمان و زمین سے بھی مشابہت دی گئی ہے اور آپ کو ایک عالم صغیر قرار دیا گیا ہے۔ اور ان تمام مظاہر قدرت کی صفات حسنہ کے آپ جامع ہیں۔ آپ سورج بھی ہیں اور چاند کی طرح صفات الٰہیہ سے فیض بھی حاصل کرتے ہیں اور اس کے نور سے منور بھی۔ پس آپؐ میں اور روشنی کے بھی خواص ہیں۔ آپ نے دنیا کے سامنے ترقی اور جدوجہد کا وسیع میدان کھول دیا ہے اور رات کی طرح پردہ پوش بھی ہیں اور راحت و سکون کا ذریعہ بھی۔ اور کبھی آپ حقوقِ نفس بھی ادا کرتے ہیں۔ آسمان کی بلندیاں بھی آپ کو حاصل ہیں اور زمین کی خاکساری اور تخم پروری بھی اور یوں آپ کے نفس کاملہ کی تکمیل ہوتی ہے۔ حضرت امام امۃ الانام حجۃ الاسلام نے توضیح میں فرمایا ہے کہ تمام قرآن شریف میں یہ عام عادت و سنت اللہ ہے کہ وہ بعض نظری امور کے اثبات و احقاق کے لیے ایسے امور کا حوالہ دیتا ہے جو اپنے خواص کا عام طور پر بین اور کھلا کھلا اور بدیہی ثبوت رکھتے ہیں جیسا کہ اس میں کوئی بھی شک نہیں ہو سکتا کہ سورج موجود ہے اور اس کی دھوپ بھی ہے اور چاند بھی موجود ہے اور وہ نور آفتاب سے حاصل کرتا ہے اور روز روشن بھی سب کو نظر آتا ہے اور رات بھی سب کو دکھائی دیتا ہے اور آسمان کا پول بھی سب کی نظر کے سامنے

ہے اور زمین تو خود انسان کی سکونت کی جگہ ہے۔ اب چونکہ یہ سب چیزیں اپنا اپنا کھلا وجود اور کھلے کھلے خواص رکھتی ہیں جن میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا اور نفس انسان کا ایسی چھپی ہوئی اور نظری چیز ہے کہ خود اس کے وجود میں ہی صدہا جھگڑے برپا ہو رہے ہیں۔ بہت سے فرقے ایسے ہیں کہ وہ اس بات کو مانتے ہی نہیں کہ نفس یعنی روح انسان بھی کوئی مستقل اور قائم بالذات چیز ہے جو بدن کی مفارقت کے بعد ہمیشہ کے لیے قائم رہ سکتی ہے۔ اور جو لوگ نفس کے وجود اور اس کی بقا اور ثبات کے قائل ہیں وہ بھی اس کی باطنی استعدادات کا وہ قدر نہیں کرتے جو کرنا چاہیے تھا بلکہ بعض تو اتنا ہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ صرف اس غرض کے لیے دنیا میں آئے ہیں کہ حیوانات کی طرح کھانے پینے اور حظوظ نفسانی میں عمر بسر کریں۔ اور وہ اس بات کو جانتے بھی نہیں کہ نفس انسانی کس قدر اعلیٰ درجہ کی طاقتیں اور قوتیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ اگر وہ کسب و کمالات کی طرف متوجہ ہو تو کیسے تھوڑے عرصہ میں تمام عالم کے متفرق کمالات و فضائل و محاسن پر ایک دائرے کی طرح محیط ہو سکتا ہے۔ سو اللہ جل شانہ نے اس سورۃ مبارکہ میں نفس انسانی اور پھر اس کے نہایت خواص فاضلہ کا ثبوت دینا چاہا ہے۔ پس اول اس نے خیالات کو رجوع دلانے کے لیے شمس و قمر وغیرہ چیزوں کے متفرق خواص بیان کر کے پھر نفس انسانی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وہ جامع ان تمام کمالات متفرقہ کا ہے اور جس حالت میں نفس انسان میں ایسے اعلیٰ درجے کے کمالات و خاصیات بنا مہا وجود ہیں جو اجرام سماویہ و ارضیہ میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں تو کمال درجہ کی نادانی ہوگی کہ ایسے عظیم الشان اور مستجمع کمالات متفرقہ کی نسبت یہ وہم کیا جائے کہ وہ کچھ بھی چیز نہیں جو موت کے بعد باقی رہ سکے۔ یعنی جبکہ یہ تمام خواص جو ان محسوس اور مشہود چیزوں میں ہیں جن کا مستقل وجود ماننے میں تمہیں کچھ کلام نہیں یہاں تک کہ اندھا بھی دھوپ کا احساس کر کے آفتاب کے وجود کا یقین رکھتا ہے، نفس انسان میں سب کے سب یکجائی طور پر موجود ہیں تو نفس کے مستقل اور قائم بالذات وجود میں تمہیں کیا کلام باقی ہے۔ کیا ممکن ہے کہ جو چیز اپنی

ذات میں کچھ بھی نہیں وہ تمام موجود بالذات چیزوں کے خواص جمع رکھتی ہے۔ اور اس جگہ قسم کھانے کی طرز کو اس وجہ سے اللہ جل شانہ نے پسند کیا ہے کہ قسم قائمقام شہادت کے ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے حکام مجازی بھی جب دوسرے گواہ موجود نہ ہوں تو قسم پر انحصار کرتے ہیں اور ایک مرتبہ کی قسم سے دو فائدے اٹھا لیتے ہیں جو کم سے کم دو گواہوں سے لے سکتے ہیں۔ سو چونکہ عقلاً و عرفاً و قانوناً و شرعاً قسم شاہد کے قائمقام سمجھی جاتی ہے لہٰذا اسی بنا پر خدا تعالیٰ نے اس جگہ شاہد کے طور پر اس کو قرار دے دیا ہے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا ﴿١﴾
وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا ﴿٢﴾ وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا ﴿٣﴾
وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا ﴿٤﴾ وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا ﴿٥﴾
وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا ﴿٦﴾ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ﴿٧﴾

۱۔ سُورج گواہ ہے اور اس کی روشنی اور حرارت،

۲۔ اور چاند، جب وہ اس (سورج) سے اکتسابِ نور کرتا ہے،

۳۔ اور دن، جب وہ اس (سورج) کو نمایاں کرتا ہے،

۴۔ اور رات، جب وہ اُسے ڈھانک لیتی ہے،

۵۔ اور آسمان اور وہ عظیم ذاتِ (خداوندی) جس نے اُسے بنایا ہے۔

۶۔ اور زمین اور وہ عظیم ذاتِ (خداوندی) جس نے اسے بچھایا ہے۔

۷۔ اور (انسانی) نفس اور وہ عظیم ذاتِ (خداوندی) جس نے اس کی تکمیل کی ہے۔

:۲۔۱:۹۱: خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ گواہی ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی درحقیقت اپنے مرادی معنی یہ رکھتا ہے کہ سورج اور اس کی دھوپ یہ دونوں نفس انسان کے موجود بالذات اور قائم بالذات ہونے کے شاہد حال ہیں کیونکہ سورج میں جو خواص گرمی اور روشنی وغیرہ

کے پائے جاتے ہیں یہی خواص مع شئے زائد انسان کے نفس میں بھی موجود ہیں۔ مکاشفات کی روشنی اور توجہ کی گرمی جو نفوس کاملہ میں پائی جاتی ہے اس کے عجائبات سورج کی گرمی اور روشنی سے بڑھ کر ہیں۔ سو جب کہ سورج موجود بالذات ہے تو جو خواص میں اس کا ہم مثل اور ہم پلہ ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یعنی نفسِ انسانی وہ کیونکر موجود بالذات نہ ہوگا۔

اس طرح خدا کا یہ کہنا کہ گواہی ہے چاند کی جب وہ سورج کی پیروی کرے۔ اس کے مرادی معنی ہیں کہ چاند اپنی خاصیت کے ساتھ کہ وہ سورج سے بطور استفادہ نور حاصل کرتا ہے نفس انسانی کے موجود بالذات اور قائم بالذت ہونے کے شاہد حال ہے کیونکہ جس طرح چاند سورج سے اکتساب نور کرتا ہے اسی طرح نفس انسان کا جو مستعد اور طالب حق ہے ایک دوسرے انسان کامل کی پیروی کر کے اس کے نور میں سے لے لیتا ہے اور اس کے باطنی فیض سے فیض یاب ہو جاتا ہے بلکہ چاند سے بڑھ کر استفادہ نور کرتا ہے کیونکہ چاند نور حاصل کر کے پھر چھوڑ بھی دیتا ہے مگر یہ کبھی نہیں چھوڑتا۔ پس جبکہ استفادہ نور میں یہ چاند کا شریک غالب ہے اور دوسری تمام صفات اور خواص چاند کے اپنے اندر رکھتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ چاند کو تو موجود بالذات اور قائم بالذات مانا جائے مگر نفس انسان کے مستقل طور پر موجود ہونے سے بھی انکار کرایا جاوے۔ غرض اس طرح خدا تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو جن کا ذکر نفس انسان کے پہلے قسم کھا کر کیا گیا ہے اپنے خواص کے رو سے شواہد و ناطق گواہ قرار دے کر اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ نفس انسان واقعی طور پر موجود ہے اور اسی طرح ہر ایک جگہ جو قرآن شریف میں بعض بعض چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں ان قسموں سے ہر جگہ یہ مدعا اور مقصد ہے کہ امر بدیہیہ کو اسرار مخفیہ کے لیے جو ان کے ہم رنگ ہوں بطور شواہد کے پیش کیا جاوے (توضیح مرام)۔

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ﴿۸﴾

۸۔اور اس (نفس) کی بدی اور اس کے تقویٰ (کے راستوں) کو بتادیا ہے۔

۹۱:۸۔فَأَلْهَمَهَا: الہام کے معنی ہیں اِلقَاءُ الشَّیءِ فِی الرَّوعِ، کسی بات کا دل میں ڈالا جانا (مفردات)۔ حدیث میں یہ دعا تلقین کی گئی ہے: اَسءَلُکَ رَحمَۃً مِن عِندِکَ تُلْھِمُنِی بِھا رُشْدِی جہاں الہام سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ دل میں کوئی بات ڈال دے جو اس کے حق میں بہتر ہو۔ یہ بھی ایک قسم کی وحی ہے (لسان العرب)۔ اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی بات کو اس رنگ میں بندے کے دل و دماغ میں اتار دینا کہ بندے کو اس کا شعور اور ارادہ نہ ہو۔ ایک فطری الہام ہے، یعنی کسی مخلوق کی فطرت میں کوئی چیز ودیعت کردینا جیسے شہد کی مکھی کا شہد وغیرہ بنانا۔ پھر ہر انسان میں نیکی و بدی کا احساس پایا جاتا ہے۔ وہ بعض باتوں کو اچھا اور بعض باتوں کو بُرا جانتا ہے، اس کے سوا کہ اس کی فطرت ہی مسخ ہوگئی ہو یا لاشعور میں دب گئی ہو۔ یہ بھی الہام فطرت ہے۔ دعا کے بعد جس طریق صواب کے اختیار کرنے پر دل قائم ہو جائے وہ بھی ایک رنگ الہام ہے۔ موجد کے دماغ میں کسی ایجاد کا جو بنیادی نقط قائم ہو جاتا ہے وہ بھی الہامی کیفیت رکھتا ہے۔ انبیاء کے الہام اور اولیاء کے الہام اور اس رنگ کے الہام میں بڑا فرق ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے یہاں اَلْہَمَ کے معنی بَیَّنَ، عَلَّمَ اور عَرَّفَ مروی ہیں (ابن جریر طبریؒ)۔ یعنی علم، عرفان اور تصریح۔ الہام ہمیشہ اچھی بات کے لیے ہوگا۔ جو بری بات دل و دماغ میں پڑے وہ الہام نہیں۔

فُجُورَهَا: کے یہاں یہ معنی نہیں کہ انسان کو گناہوں کا الہام الٰہی بھی ہوتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتا ہے اور انسان کا نور قلب اور روشن ضمیر اسے بتادیتا ہے کہ فلاں بات بدی اور گناہ کی ہے۔ اور وحی متلو سے بھی اللہ تعالیٰ بتادیتا ہے کہ بدی اور گناہ کے راستے کون سے ہیں۔

قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا ﴿۹﴾

۹۔(یہ سب اس امر پر گواہ ہیں) کہ جس شخص نے اس (اپنے نفس)
کو پاک کیا اس نے اپنی مراد پالی۔

۹۱:۹۔زَكَّاهَا: تزکیہ کے معنی ہیں پاک کرنا، ابھارنا اور نشو ونما دینا، اونچا کرنا اور اُس نمو کے ہیں جو برکتِ الٰہیہ سے حاصل ہو (مفردات)۔ یعنی نفس کو فجور سے پاک کرکے اسے ابھار کر اور نشو ونما دے دے کر انسان فلاح پاتا ہے۔

وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا ﴿۱۰﴾
كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا ﴿۱۱﴾ إِذِ انبَعَثَ أَشْقَاهَا ﴿۱۲﴾
فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ﴿۱۳﴾

۱۰۔اور جس شخص نے اسے (شہوات میں) گاڑ دیا وہ نامراد ہوا۔

۱۱۔(دیکھو!) ثمود (کی قوم) نے اپنی سرکشی کی وجہ سے
(اپنے وقت کے رسول صالحؑ کی) تکذیب کی۔

۱۲۔جب اس کا ایک بدبخت بھڑک اٹھا تھا۔

۱۳۔تو اللہ کے رسول نے انہیں کہا: اللہ کی (طرف سے بطور علامت قائم کی ہوئی)
اونٹنی اور اس کے پانی پلانے سے (تعرض نہ کرو)۔

۹۱:۱۰۔دَسَّاهَا: کے معنی ہیں دبانا، چھپانا، اغوا کرنا، گمراہ کرنا، حقیر قرار دینا۔ ایک چیز کا دوسری میں جبر کے ساتھ داخل کرنا (مفردات)۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ شخص نامراد ہوا جس نے اپنی فطرت میں پائی جانے والے نیکی کے رجحانات کو ابھارنے اور نشو ونما دینے کے بجائے انہیں دبا دیا، انہیں بہکا کر بدی کی طرف لے گیا اور تقویٰ کو بدی کے نیچے دبا دیا۔

فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوَّاهَا ﴿۱۴﴾
وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ﴿۱۵﴾

۱۴۔ مگر انہوں نے اس کی بھی تکذیب کی اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔

تب اللہ نے ان کے گناہ کی پاداش میں ان پر تباہی نازل کی اور انہیں برابر کر دیا۔

۱۵۔ اور ان کے انجام (اور پسماندگان) کا کچھ اندیشہ نہ کیا۔

۹۱:۱۴۔ دَمْدَمَ: ا۔ ہلاک کیا؛ ۲۔ زلزلہ بھیجا؛ ۳۔ غضب نازل کیا (لسان العرب)۔ اس لفظ کے لہجہ میں ہی اس کے مضمون کی شدت موجود ہے۔
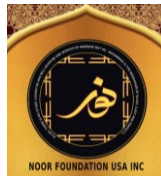
NOOR Foundation USA Inc.
A 501(c)(3) non-profit, non-sectarian Islamic organization

Email: noorfoundationusa@gmail.com
Website: www.islamusa.org